نزولِ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام

ایک افسانہ یا حقیقت؟ (۲)

حافظ محمد زبیر☆

پچھلے شمارے میں ہم نے سورۃ الزخرف کی آیت ٦١ کے ایک حصے ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کی تفسیر میں صحابہ کرامؓ' تابعین عظامؒ اور پہلی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک کے نامور اور جلیل القدر مفسرین کی آراء بیان کی تھیں جن کے مطابق اس آیت سے حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا قیامت سے پہلے اس دنیا میں دوبارہ نزول مراد ہے۔ اب ہم اس آیت مبارکہ پر بعض ناقدین کی طرف سے ہونے والے اعتراضات کا ایک علمی جائزہ لیں گے۔

آیتِ مبارکہ کی مذکورہ بالا تفسیر پر چند شبہات اور اُن کے جوابات

اعتراضِ اوّل

ایک صاحب نے ہمارے نام اپنے ایک خط میں یہ اعتراض وارد کیا ہے: ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کا نام موجود نہیں ہے' لہٰذا اس آیت سے حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کے نزول پر کیسے استدلال کیا جا سکتا ہے؟

ہم یہ کہتے ہیں کہ ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ﴾ (الحدید:٤) اور ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ (القصص:٨٨) جیسی سینکڑوں آیات میں لفظ ''اللہ'' موجود نہیں ہے' تو کیا ان آیات کا ترجمہ کرتے وقت ہم یہ بات نہیں کہہ سکتے ہیں کہ یہ آیات اللہ کے بارے میں ہیں؟ قرآن مجید میں ہزاروں مقامات ایسے ہیں جہاں پر واضح نام (Noun) ذکر کرنے کی بجائے ضمائر

☆ شعبہ تحقیق اسلامی' قرآن اکیڈمی لاہور

(Pronouns) میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ بات کرتے ہیں' تو کیا قرآن کے یہ سارے مقامات غیر واضح اور غیر صریح ہیں؟ اگر اس اصول کو مان لیا جائے کہ ضمائر میں ہونے والی بات مبہم ہوتی ہے تو پھر تو آدھے سے زیادہ قرآن مبہم ہوا' اور جب آدھے سے زیادہ قرآن مبہم ہے تو وہ مخلوق کے لیے ہدایت کا باعث کیسے ہوگا؟ حقیقت یہ ہے کہ ضمائر کا استعمال کسی بھی زبان کی فصاحت و بلاغت میں شمار ہوتا ہے۔ اس کی سادہ سی مثال ہم اردو زبان میں یوں سمجھ سکتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ کہے:

''حامد سکول سے آیا' حامد نے بستہ رکھا' حامد نے کھانا کھایا' حامد سو گیا''

تو یہ فصیح و بلیغ کلام شمار نہ ہوگا۔ اور اگر اس کی جگہ کوئی یہ کہے کہ:

''حامد سکول سے آیا' اس نے بستہ رکھا' کھانا کھایا اور سو گیا''

تو یہ کلام فصیح و بلیغ ہے' کیونکہ اس میں حامد کے نام کی تکرار نہیں ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ اوپر دی گئی عبارت میں اس بات کی صراحتاً یا اشارتاً وضاحت نہیں ہے کہ کس نے بستہ رکھا ہے یا کس نے کھانا کھایا ہے؟ تو اہل زبان ایسے آدمی کو بے وقوف اور جاہل کہیں گے' کیونکہ اس عبارت میں ضمیر 'اس' موجود ہے جو کہ حامد کی طرف لوٹ رہی ہے۔ اسی طرح کا معاملہ آیت مبارکہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ کا ہے کہ اس میں 'ہٗ' کی ضمیر ہے جو کہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف لوٹ رہی ہے جن کا ذکر صراحت کے ساتھ پچھلی آیات میں موجود ہے۔ مفسرین کرامؒ نے بھی اس ضمیر کو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کی طرف لوٹایا ہے' اس لیے مفسرین کا اس آیت کے بارے میں یہ کہنا کہ یہ حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے بارے میں ہے' محض ان کی رائے نہیں ہے بلکہ یہ قرآنی نص ہے۔

اسی طرح اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ سکول سے آنے والا تو حامد ہے لیکن کھانا کھانے والا زید ہے' تو یہ شخص بھی غلطی پر ہے' کیونکہ پچھلی عبارت میں زید کا ذکر ہی نہیں ہے۔ اس لیے اگر ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کے علاوہ قرآن یا محمد ﷺ کی طرف ضمیر لوٹا دی جائے تو یہ جائز نہیں ہوگا' کیونکہ پیچھے ذکر حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا ہو رہا ہے نہ کہ قرآن یا حضرت محمد ﷺ کا۔ مرزا قادیانی نے اس آیت مبارکہ میں 'ہٗ' کی ضمیر قرآن کی طرف لوٹائی ہے جس کی کوئی دلیل قادیانی کے پاس نہیں ہے' کیونکہ اس آیت سے پہلے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا ذکر تو ہے لیکن قرآن کا کہیں ذکر نہیں ہے۔

اعتراضِ ثانی

دوسرا اعتراض یہ ہے کہ اس آیت میں حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا ذکر تو ہے لیکن نزول کے الفاظ نہیں ہیں' اس لیے اس آیت سے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول مراد لینا صحیح نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ ہر زبان میں کسی بات کو بیان کرنے کے مختلف اسالیب ہوتے ہیں جنہیں اہل زبان اچھی طرح سمجھتے ہیں۔ مثلاً تشبیہہ' مجاز' کنایہ' استعارہ' حذف' ایجاز' اطناب' تلمیح وغیرہ سب زبان کے استعمال ہی کے مختلف انداز ہیں جن کے استعمال سے کسی زبان میں فصاحت و بلاغت اور حُسن پیدا ہو جاتا ہے۔ علمِ بلاغہ کی مذکورہ اقسام میں سے ایک قسم ''حذف'' کا استعمال قرآن میں بہت زیادہ ہے' کیونکہ حذف میں ایجاز (اختصار) ہے اور ایجاز میں کلام کی خوبصورتی اور حسن ہے۔ مثلاً قرآن میں ہے: ﴿وَاسْئَلِ الْقَرْيَةَ﴾ (یوسف:۸۲) یعنی آپ بستی سے سوال کریں' اب سوال بستی سے تو نہیں ہوتا بلکہ بستی والوں سے ہوتا ہے' اس لیے ہم یہ کہیں گے کہ یہاں 'بستی' سے مراد 'بستی والے' ہیں۔ اسی طرح قرآن میں ہے: ﴿هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ﴾ (النساء:۱۶۳) یعنی مؤمن اور کافر اللہ کے ہاں درجات ہیں۔ اب اس آیت کا معنی بھی اس وقت تک واضح نہیں ہوتا جب تک ہم 'درجات' سے مراد 'درجات والے' نہ لیں۔ اسی طرح قرآن میں ہے: ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا﴾ (النساء:۱۷۲) ''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے واضح کرتا ہے تاکہ تم گمراہ ہو جاؤ''۔ اس آیت کا مفہوم بھی اُس وقت تک درست نہیں ہوگا جب تک ہم اس آیت میں 'اَنْ' کے بعد 'لَا' کو محذوف نہ مانیں۔ اس لیے اس آیت کا صحیح ترجمہ یہ ہوگا:

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے وضاحت کرتا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ''۔

اب اگر کوئی شخص ہم سے یہ پوچھے کہ آپ نے 'نہ' کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے' آیت میں تو 'نہ' کا لفظ موجود ہی نہیں ہے؟ تو ہم اس کو یہی کہیں گے کہ 'نہ' جس لفظ کا ترجمہ ہے وہ اس آیت میں لفظوں میں موجود نہیں ہے بلکہ محذوف (understood) ہے اور یہ محذوفات قرآن میں ہزاروں جگہ موجود ہیں۔ یہ حذف ہر زبان میں ہوتا ہے اور اسی میں کلام کی خوبصورتی ہے۔ مثلاً اردو میں حذف کی سادہ سی مثال یہ ہو سکتی ہے کہ جب آپ کسی سے پوچھتے ہیں کہ بھئی تم کہاں جا رہے ہو؟ تو وہ جواب میں صرف یہ کہتا ہے: 'بازار'۔ حالانکہ اس جواب میں بہت سے

محذوفات ہیں اور مکمل جواب یہ ہے کہ: ''میں بازار جا رہا ہوں''۔لیکن پہلے جواب میں خوبصورتی ہے' جبکہ دوسرے جواب میں بات کو خواہ مخواہ لمبا کیا گیا ہے۔اس لیے بہت سی جگہوں پر محذوفات کا ذکر کرنا کلام کا عیب شمار ہوتا ہے۔اہل زبان کے ہاں یہ محذوفات یا تو عقلاً متعین ہوتے ہیں' یا کچھ شرعی خارجی قرائن ان کی طرف اشارہ کر رہے ہوتے ہیں یا عرف وعادت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ محذوف ہے ☆۔اب سوال یہ ہے کہ اس بات کا فیصلہ کون کرے گا کہ یہاں پر کلام میں کچھ محذوف ہے یا نہیں؟ یہ فیصلہ کوئی ریڑھی لگانے والا' ڈاکٹر' انجینئر' سائنس دان یا تاجر نہیں کرے گا' بلکہ اس کا تعین وہ جلیل القدر علماء کریں گے جن کی مادری زبان عربی تھی یا جنہوں نے اس زبان کی تعلیم وتعلم پر بیسیوں برس صرف کیے' کیونکہ مفسرین قرآن کے کسی مقام پر خواہ مخواہ ہی کوئی محذوف نہیں نکالتے بلکہ کسی جگہ محذوف نکالنے کے لیے بھی دلائل اور قرائن ہوتے ہیں۔مفسرین کی آراء سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اس آیت مبارکہ میں 'نزول' کو محذوف مانا ہے اور اس لفظ کو اس آیت میں محذوف ماننے کے خارجی اور داخلی قرائن بہت زیادہ ہیں۔خارجی قرائن میں ایک تو احادیث مبارکہ ہیں اور دوسرے اقوالِ صحابہؓ۔اقوالِ صحابہ تفسیر میں اس لیے حجت ہیں کہ وہ اس ماحول اور پس منظر کا ایک حصہ ہوتے ہیں جس میں قرآن نازل ہوا ہے۔لہٰذا ان آیات کے نزول کے اسباب کیا تھے' یا اس ماحول میں کیا سوالات یا مباحث جاری تھے جن پر ان آیات کا نزول ہوا' اس سب سے صحابہ کرامؓ اچھی طرح واقف تھے۔قرآن عموماً ایسے اختلافی مباحث میں فیصلہ کن بات تو بیان کر دیتا ہے لیکن اس ماحول اور پس منظر کو بیان نہیں کرتا جس میں ان آیات کا نزول ہوتا ہے۔لہٰذا صحابہ کرامؓ کی تفسیر شاہدین واقعہ ہونے کی بنا پر حجت ہے۔داخلی دلائل میں علم بلاغہ کے کچھ اصول وضوابط ہیں جن کا تذکرہ ہم کر رہے ہیں۔اسی طرح اس آیت میں 'عِلْمٌ' مصدر ہے جو کہ اسم علم کے معنی دے رہا ہے اس لیے 'عِلْمٌ' سے 'مَا يُعْلَمُ بِهٖ' مراد ہے' یعنی جس سے علم حاصل ہو۔امام اللغۃ علامہ زمخشریؒ لکھتے ہیں:

﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ أی شرط من أشراطها تعلم به فسمی الشرط

☆ قرآن میں حذف اور اس کی اقسام کے موضوع پر راقم الحروف کا ایک تفصیلی مضمون ماہنامہ حکمت قرآن بابت جون و جولائی ۲۰۰۷ء کے شماروں میں دو قسطوں میں شائع ہوا ہے۔اس موضوع سے متعلق مزید معلومات کے لیے اس مضمون کا مطالعہ طالبانِ قرآن کے لیے مفید رہے گا۔

علما لحصول العلم به (تفسیر کشاف' سورۃ الزخرف: ٦١)

''﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس سے قیامت کا علم حاصل ہوگا' اور شرط کو علم کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس سے علم حاصل ہو رہا ہے''۔

امام المتکلمین امام رازیؒ فرماتے ہیں:

﴿لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ شرط من أشراطها تعلم به فسمي الشرط الدال على الشيء علما لحصول العلم به (تفسیر رازی' سورۃ الزخرف: ٦١)

''﴿لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے مراد یہ ہے کہ وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس سے قیامت کا علم حاصل ہوگا' اور کسی چیز پر رہنمائی کرنے والی شے کو شرط کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس سے علم حاصل ہو رہا ہے''۔

امام النحو ابوحیان الاندلسیؒ لکھتے ہیں:

لَعِلْمٌ مصدر علم قال الزمخشری: ای شرط من أشراطها تعلم به فسمي العلم شرطا لحصول العلم به (البحر المحیط' سورۃ الزخرف: ٦١)

''لَعِلْمٌ علم سے مصدر ہے۔ علامہ زمخشری نے کہا ہے: وہ قیامت کی نشانیوں میں سے ایک نشانی ہے جس سے قیامت کا علم حاصل ہوگا' اور شرط کو علم کا نام اس لیے دیا گیا کہ اس سے علم حاصل ہو رہا ہے''۔

قواعدِ مذکورہ بالا کی روشنی میں اس آیت کی تقدیرِ عبارت 'وَاِنَّهٗ بِنُزُوْلِهٖ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ' ہوگی جبکہ اس آیت کا معنی 'وَاِنَّ عِیْسٰی بِنُزُوْلِهٖ مَا یُعْلَمُ بِهِ السَّاعَةُ' ہوگا۔ اس آیت کا یہی مفہوم ہم نے پچھلے چودہ سو سال میں گزرنے والے تقریباً چالیس مفسرین کے حوالوں سے بیان کیا تھا جس پر ہمارے ایک قاری نے یہ اعتراض جڑ دیا کہ اس آیت میں نہ تو حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نام ہے اور نہ ہی نزول کا تذکرہ ہے۔ ہمارے خیال میں ایسے قارئین کو عربی زبان کے اسالیب و قواعد سے ناواقفیت اور جہالت کی وجہ سے ایسے اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اور ان کو رفع کرنے کا بہترین حل یہی ہے کہ ایسے حضرات قرآن و سنت کے اردو تراجم سے استفادہ کے ساتھ ساتھ اپنے قیمتی اوقات میں سے کچھ وقت نکال کے علومِ عربیہ و شرعیہ کو ماہر اساتذہ کی صحبت میں رہتے ہوئے حاصل کریں' کیونکہ امام شافعیؒ کا یہ قول بہت ہی معروف ہے کہ ''جس

کا کوئی استاد نہ ہو اُس کا استاد شیطان ہوتا ہے''۔ یعنی استاد کے بغیر صرف ذاتی مطالعے سے حق بات تک پہنچنے والے نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں' کیونکہ ایسے افراد اکثر و بیشتر شیطان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں۔

اعتراضِ ثالث

ایک اعتراض یہ کیا گیا ہے کہ قرآن میں ہر قسم کے بنیادی عقیدے کو اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے جبکہ حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے نزول کا عقیدہ کہیں بھی صریحاً بیان نہیں ہوا۔

یہ دعویٰ محلِ نظر ہے کہ قرآن مجید نے مسلمانوں کے تمام عقائد کو واضح طور پر بیان کر دیا ہے۔ حقیقت میں یہ دعویٰ منکرینِ احادیث کا ہے یا اس سے ملتا جلتا دعویٰ قادیانیوں نے کیا ہے جو احادیث میں بیان شدہ عقائد کو اسلامی عقائد قرار نہیں دیتے۔ ہم اس دعوے کے قائلین سے سوال کرتے ہیں کہ جب کسی غیر مسلم نے اسلام قبول کرنا ہو تو اس کا کیا طریقۂ کار ہے؟ یعنی ایک غیر مسلم کن کلمات کو ادا کرنے کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہو گا؟ اور کیا یہ کلمات قرآن سے ثابت ہیں؟ کیا ''لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ'' یا ''اَشْھَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ'' کے الفاظ قرآن مجید کی کسی سورت میں بیان ہوئے ہیں؟ اگر نہیں بیان ہوئے تو پھر یہ دعویٰ ہی باطل ہے کہ قرآن مجید میں ہر ایک عقیدہ واضح طور پر بیان ہو گیا ہے اور عقیدے کے مسائل میں حدیث سے رہنمائی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر کوئی منکرِ حدیث یا قادیانی یہ کہتا ہے کہ یہ الفاظ قرآن میں نہیں ہیں اس لیے میں ان الفاظ کو نہیں مانتا تو ایسے منکرِ حدیث یا قادیانی سے ہم یہ سوال کریں گے کہ وہ قرآن سے ہمیں بتائے کہ کسی غیر مسلم کو مسلمان کرنے کا کیا طریقہ ہے؟ یا کن کلمات کو ادا کرنے سے ایک غیر مسلم مسلمان ہو گا؟ اور یہ کلمات قرآن سے ثابت بھی کرے۔ یا یہ کلمات نہ سہی اس کے نزدیک کسی غیر مسلم کے اسلام میں داخل ہونے کا جو بھی طریقۂ کار ہے وہ اسے قرآن سے ثابت کرے۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں بہت سے عقائد ایسے ہیں جن کو قرآن مجید نے اس طرح صراحت سے بیان نہیں کیا جس صراحت سے ان کا بیان احادیث میں آ گیا ہے۔ مثلاً ختم نبوت کا عقیدہ ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن میں صرف ایک جگہ اللہ کے رسول ﷺ کے لیے 'خاتَم النبیّن' کے الفاظ آئے ہیں۔ اس آیت مبارکہ میں 'خاتَم' اسم آلہ ہے جس کا معنی

'مہر' ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ ؐنبیوں کی مہر ہیں' یعنی آپ آخری نبی ہیں۔ اگر قرآن چاہتا تو ختم نبوت کے عقیدے کے اثبات کے لیے 'سَیَکُوْنُ فِیْ اُمَّتِیْ ثَلَاثُوْنَ کَذَّابُوْنَ کُلُّھُمْ یَزْعُمُ اَنَّہٗ نَبِیٌّ' یا 'لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ' جیسے احادیث میں وارد شدہ واضح اور صریح الفاظ بھی استعمال کر سکتا تھا' لیکن بہت سے عقائد کے معاملے میں ہم دیکھتے ہیں کہ جتنی صراحت اور وضاحت احادیث میں ہوتی ہے اتنی قرآن میں نہیں ہوتی۔ اسی لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو خوارج سے مباحثہ و مکالمہ کے لیے بھیجا تو خاص طور پر یہ تاکید کی کہ قرآن سے دلیل نہ دینا' بلکہ حدیث سے دلیل دینا' کیونکہ قرآن میں وہ صراحت نہیں ہے جو کہ احادیث مبارکہ میں ہے۔ لہٰذا آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اہل سنت کے بالمقابل ہر باطل فرقے کی بنیاد انکارِ حدیث ہوتی ہے' کیونکہ قرآن کی تو یہ تاویل کر لیتے ہیں' اس کے الفاظ کو من مانے مفہوم کا جامہ پہنا دیتے ہیں' لیکن احادیث کی صراحت کی وجہ سے ان حضرات کے لیے احادیث میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی' لہٰذا ان کا پہلا دعویٰ انکارِ حدیث کا ہوتا ہے۔ قرآن کو اللہ تعالیٰ نے جہاں کتابِ ہدایت بنایا ہے وہاں اس کی آیات اور مضامین بعض کج فہموں کے لیے آزمائش بھی بنائے گئے ہیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ھُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ مِنْہُ اٰیٰتٌ مُّحْکَمٰتٌ ھُنَّ اُمُّ الْکِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِھٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِھِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَۃِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِیْلِہٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَہٗٓ اِلَّا اللّٰہُ ۘ وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ......﴾ (آل عمران:۷)

''وہی اللہ تعالیٰ ہے جس نے آپؐ پر کتاب نازل کی جس میں کچھ محکم آیات ہیں جو کتاب کی اصل (بنیاد) ہیں اور کچھ دوسری متشابہ ہیں' پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے تو وہ قرآن کی متشابہات کے پیچھے پڑ جاتے ہیں تا کہ فتنہ تلاش کر سکیں اور اس کا حقیقی مفہوم معلوم کر سکیں' جبکہ حال یہ ہے کہ ان (متشابہات) کا حقیقی مفہوم اللہ تعالیٰ اور پختہ علم رکھنے والے علماء ہی جانتے ہیں......''

اس آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر کسی دینی اہلیت اور 'رسوخ فی العلم' کے قرآن کریم کی متشابہ آیات کی تفسیر و تاویل کے پیچھے پڑنا درحقیقت اُمت مسلمہ میں فتنے پھیلانے کے مترادف ہے۔ قرآن کی متشابہ آیات کا علم اللہ تعالیٰ یا رسوخ فی العلم رکھنے والے جلیل القدر علماء ہی کے

پاس ہے۔

اعتراضِ رابع

ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے اگر حضرت عیسیٰ بن مریم ﷺ کا نزول مراد لیا جائے تو ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ کے ساتھ اس کا ربط واضح نہیں ہوتا کیونکہ ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ میں مشرکینِ مکہ کو خطاب کر کے کہا جا رہا ہے کہ تم قیامت میں شک نہ کرو' اور حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا نزول مشرکینِ مکہ کے لیے کیسے دلیل بن سکتا ہے جبکہ یہ نزول ان کے مَر کھپ جانے کے ہزاروں سال بعد ہونا تھا؟ مرزا قادیانی اس اعتراض کو نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

> ''اس آیت پر غور کر کے ہر ایک عقل مند سمجھ سکتا ہے کہ اس کو حضرت عیسیٰ کے نزول سے کچھ بھی تعلق نہیں... کیا اس طرح اتمامِ حجت ہو سکتا ہے کہ دلیل تو ابھی ظاہر نہیں ہوئی اور کوئی نام و نشان اس کا پیدا نہیں ہوا اور پہلے سے ہی منکرین کو کہا جاتا ہے کہ اب بھی تم کیوں یقین نہیں کرتے... کیا یہ اتمامِ حجت کا طریقہ کار ہے کہ دلیل تو ابھی پردۂ غیب میں ہو اور یہ سمجھا جائے کہ الزام پورا ہو گیا ہے؟ ایسے معنی قرآن شریف کی طرف منسوب کرنا گویا اس کی بلاغت اور پُرحکمت بیان پر دھبہ لگانا ہے۔ سچ ہے کہ بعض نے یہی معنی لیے ہیں مگر انہوں نے سخت غلطی کھائی ہے' بلکہ حق بات یہ ہے کہ 'اِنَّهٗ' کا ضمیر قرآن شریف کی طرف پھرتا ہے''۔ (خزائن معارف اسلامیہ' جلد۲' ص ۳۲۵' ناشر مرزا غلام احمد فاؤنڈیشن)

یہی اعتراض مولانا مودودیؒ نے بھی اپنی تفسیر میں اٹھایا ہے۔ مولانا لکھتے ہیں:

> ''ابن عباس ؓ' مجاہد' عکرمہ' قتادہ' سدی' ضحاک' ابو العالیہ اور ابو مالک ؒ کہتے ہیں کہ اس سے مراد حضرت عیسیٰ کا نزولِ ثانی ہے جس کی خبر بکثرت احادیث میں وارد ہوئی ہے اور آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ جب دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو معلوم ہو جائے گا کہ قیامت اب قریب ہے' لیکن اِن بزرگوں کی جلالتِ قدر کے باوجود یہ ماننا مشکل ہے... ان کا دوبارہ آنا تو قیامت کے علم کا ذریعہ صرف ان لوگوں کے لیے بن سکتا ہے جو اسی زمانہ میں موجود ہوں یا اس کے بعد پیدا ہوں' کفارِ مکہ کے لیے آخر وہ کیسے ذریعۂ علم قرار پا سکتا تھا کہ ان کو خطاب کر کے یہ کہنا صحیح ہوتا کہ ''پس تم اس میں شک نہ کرو''۔

جو اشکال صحابہ رضی اللہ عنہم ' تابعینؒ اور جلیل القدر مفسرین امام قرطبی' امام رازی' امام ابن کثیر' امام بیضاوی' امام بغوی' امام سیوطی' علامہ زمخشری' امام ابوجعفر النحاس' علامہ سمرقندی' امام نسفی' امام واحدی' امام بقاعی' علامہ آلوسی' علامہ ثناء اللہ پانی پتی' نواب صدیق الحسن قنوجی' امام ابوحیان الاندلسی' امام شوکانی' علامہ شنقیطی' سید قطب شہید' علامہ سید طنطاوی' علامہ ابوبکر الجزائری' شاہ عبد القادر' مفتی محمد شفیع صاحب' مولانا وحید الزمان خان اور مولانا ادریس کاندھلوی (رحمہم اللہ علیہم) وغیرھم کو پیدا نہ ہوا وہ چودھویں صدی میں مرزا قادیانی کو پیدا ہو گیا اور چودہ سو سال میں پہلی دفعہ مرزا قادیانی پر یہ الہام ہوا کہ یہ تمام مفسرین غلطی پر تھے اور صحیح رائے تو وہ ہے جو وہ بیان کر رہا ہے۔ ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرنا ہی کسی انسان کی جہالت کی بہت بڑی دلیل ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم ' تابعینؒ اور جلیل القدر مفسرین کو اس بات کا علم نہ تھا کہ جو تفسیر وہ کر رہے ہیں وہ قرآن کی بلاغت یا سیاق و سباق کے خلاف ہے۔

ہمارے خیال میں یہ مقدمہ ہی غلط ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین مکہ کو وقوع قیامت کی کوئی دلیل دی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ آیت دو حصوں پر مشتمل ہے۔ اس کے پہلے حصے میں حضرت عیسیٰ بن مریم ؑ' جن کا ذکر پچھلی آیات میں چلا آ رہا ہے' کے بارے میں مسلمانوں اور مشرکین دونوں کو یہ خبر دی گئی ہے کہ ان کا قیامت سے پہلے نزول قرب قیامت کی علامات میں سے ایک علامت ہے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اور بہت سے مقامات پر آسمان کے پھٹنے' ستاروں کے ماند پڑ جانے' پہاڑوں کے اڑانے وغیرہ کو قیامت کی نشانیاں اور علامات قرار دیا ہے' لیکن مشرکین مکہ نے ان میں کسی بھی علامت کو دیکھا نہیں تھا۔ اس آیت کے دوسرے حصے میں بھی مسلمانوں اور مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے انہیں یہ کہا جا رہا ہے 'إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِقُدْرَةِ اللّٰهِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا' یعنی اگر تم اللہ کو قادر مانتے ہو تو قیامت کے وقوع میں شک نہ کرو۔ 'فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا' کے شروع میں جو 'فاءُ' ہے یہ ''فائیے فصیحة'' کہلاتی ہے' کیونکہ 'افصاح' کا معنی ظاہر کرنا یا واضح کرنا ہوتا ہے اور یہ 'فاءُ' یہ واضح کرتی ہے کہ اس سے پہلے ایک شرط محذوف ہے۔ الاستاذ محی الدین الدرویش نے اپنی معروف کتاب 'اعراب القرآن و بیانہ' میں اس 'فاءُ' کو فائے فصیحہ ہی قرار دیا ہے۔ اس 'فاءُ' کا ایک اور نام ''فائے رابطہ'' بھی ہے' کیونکہ یہ شرط اور جواب شرط کے درمیان رابطے کا کام دیتی ہے۔ مفتی مصر علامہ سید طنطاوی نے 'معجم اعراب الفاظ القرآن الکریم' میں اس

فاءکو فائے رابطہ کہا ہے۔ شرطِ محذوف نکالنے کے بعد اسی 'فاء' یعنی فائے فصیحیہ یا فائے رابطہ کو 'فائے جزائیۂ' کہتے ہیں۔ لہٰذا 'فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا' کے شروع کی 'فاء' اس بات کی متقاضی ہے کہ یہاں اس سے پہلے شرط کو محذوف نکالا جائے اور ہم نے یہ شرط 'اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِقُدْرَةِ اللّٰهِ' نکالی ہے' کیونکہ پچھلی آیت ﴿وَلَوْ نَشَاءُ لَجَعَلْنَا مِنْكُمْ مَّلٰٓئِكَةً فِي الْاَرْضِ يَخْلُفُوْنَ﴾ اسی کے محذوف ہونے پر دلالت کر رہی ہے۔ اب شرطِ محذوف اور جوابِ شرط مذکور کو ملایا جائے تو آیت کا دوسرا حصہ مکمل ہوتا ہے جو کہ 'اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِقُدْرَةِ اللّٰهِ فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا' ہے۔ اس لیے ﴿فَلَا تَمْتَرُنَّ بِهَا﴾ کا تعلق ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ سے جوڑتے ہوئے ائمۂ سلف کی غلطی نکالنا خود غلطی نکالنے والے کی عربی قواعد واسالیب سے ناواقفیت و جہالت کی دلیل ہے۔

ہمارا رویہ یہ ہونا چاہیے کہ اگر ہمیں سلف صالحین کی کوئی بات سمجھ نہیں آ رہی تو ہم فوراً اُن کی غلطی نکالنے کی بجائے اپنی کم علمی اور جہالت دور کرنے کی طرف توجہ دیں۔ جبکہ دیکھنے میں آیا ہے کہ سلف صالحین کے علم کے بالمقابل سوواں حصہ بھی نہ ہونے کے باوجود ہمارے معاصر مفکرین صرف اتنا کہہ کر ائمہ سلف پر تنقید یا ان سے اختلاف شروع کر دیتے ہیں کہ ان کی ایک رائے تھی' جس طرح ان کو رائے رکھنے کا حق تھا ہمیں بھی اس کا حق ہے' لیکن ایسے مفکرین اس بات پر غور نہیں کرتے کہ سلف صالحین پر نقد کرتے ہوئے یا ان کی متفق علیہ آراء سے اختلاف کر کے وہ اپنی جہالت کو ظاہر کر رہے ہوتے ہیں نہ یہ کہ اُن کا مبلغ علم ائمۂ سلف سے بڑھ کر ہے۔

(جاری ہے)

محترم ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ کے مکمل دورۂ ترجمہ قرآن اور دروس و خطابات کے علاوہ تلاوتِ قرآن' کتبِ احادیث کے تراجم' میثاق' حکمت قرآن اور ندائے خلافت کے تازہ اور سابقہ شمارے' اردو و انگریزی کتب' کیسٹس' سی ڈیز اور مطبوعات کی مکمل فہرست ہماری ویب سائٹ www.tanzeem.org پر ملاحظہ کیجیے!